اسلامی شریعت میں جدّت پسندی اور اس کے حدود

مولانا محمد تقی عثمانی

"جدت پسندی" بذات خود ایک مستحسن جذبہ اور انسان کی ایک فطری خواہش ہے، اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو انسان پتھر کے زمانے سے ایٹم کے دَور تک نہ پہنچتا، اونٹوں اور بیل گاڑیوں سے طیاروں اور خلائی جہازوں تک رسائی حاصل نہ کرتا، موم کی شمعوں اور مٹی کے چراغوں سے بجلی کے قمقموں اور سرچ لائٹوں تک ترقی نہ کر سکتا۔ انسان کی یہ ساری مادی ترقیاں اور سائنسی کارنامے جنہوں نے ایک طرف چاند تاروں پہ کمندیں ڈال رکھی ہیں تو دوسری طرف سمندر کی تہ میں اپنے ڈول پہنچاتے ہوتے ہیں، اگر دیکھا جائے تو انسان کے اسی جذبہ کی رہین منت ہیں کہ وہ "جدت پسند" اور "خوب سے خوب تر" کا حریص ہے۔

چنانچہ اسلام نے جو ایک فطری دین ہے کسی "جدت" پر بحیثیت "جدت" کے کوئی پابندی عائد نہیں کی، بلکہ بسا اوقات اسے مستحسن قرار دیا ہے اور اس کی ہمت افزائی کی ہے۔

خاص طور سے صنعت و حرفت اور فنونِ جنگ وغیرہ کے بارے میں نئے نئے طریقوں کا استعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے غزوۂ احزاب کے موقع پر جب قبائل عرب نے اکٹھے ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کا پروگرام بنایا تو ان کے دفاع کے لئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک نئی تدبیر بتائی جس پر عرب میں اس سے پہلے عمل نہیں ہوا تھا اور وہ تدبیر یہ تھی کہ شہر کے اطراف میں ایک گہری خندق کھودی جائے۔ چنانچہ آپ نے اس تدبیر کو پسند فرما کر اس پر عمل کیا اور خود بھی خندق کی کھدائی میں شریک رہے (البدایہ والنہایہ ۴: ۹۵)

ان ہی حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے غزوۂ طائف کے موقع پر آپؐ نے دو نئے آلاتِ حرب استعمال فرمائے جو بعض روایات کے مطابق حضرت سلمانؓ نے خود اپنے ہاتھ سے بنائے تھے، ان میں ایک منجنیق تھی، جسے اس زمانے کی توپ کہنا چاہئے، اور دو دبّابے تھے جنہیں

اس دور کے ٹینک کہا جا سکتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۴: ۳۴۸)

پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ حافظ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے دو صحابیوں حضرت عروہ بن مسعودؓ اور حضرت غیلان بن سلمہؓ کو باقاعدہ شام کے شہر جرش بھیجا، تاکہ وہ وہاں سے دبابے، منجنیق اور ضبور کی صنعت سیکھ کر آئیں۔ جرش شام کا مشہور صنعتی شہر تھا، اور ضبور، دبابے ہی کی طرح کا ایک آلہ تھا جسے اہل روم جنگوں میں استعمال کرتے تھے، چنانچہ یہ دونوں صحابی غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں اسی لئے شریک نہ ہو سکے کہ وہ ان دنوں شام میں یہ صنعت سیکھ رہے تھے (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۲۱ تاریخ طبری ۱۶۶۹، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۴۵)

حافظ ابن جریرؒ نقل کرتے ہیں کہ زراعت کی ترقی کے لئے آپؐ نے اہل مدینہ کو زیادہ سے زیادہ کاشت کرنے کا حکم دیا، اور پیداوار بڑھانے کے لئے یہ تدبیر بتائی کہ کھیتوں میں اونٹوں کی کھوپڑیاں استعمال کریں۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۲۱۹ انواع الکسب)

ایک حدیث میں ہے کہ تجارت کی ترقی کے لئے آپؐ نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ "کپڑے کی تجارت کرو۔ کیونکہ کپڑے کا تاجر یہ چاہتا ہے کہ لوگ خوشحال اور فارغ البال رہیں"۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۱۹۹، بیوع، انواع الکسب)

نیز آپؐ نے متعدد لوگوں کو تجارت کے لئے عمان اور مصر جانے پر آمادہ فرمایا۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۱۹۷)

زراعت اور معدنیات سے فائدہ اٹھانے کے لئے آپ نے ارشاد فرمایا "اطلبوا الرزق فی خبایا الارض" یعنی زمین کی پوشیدہ نعمتوں میں رزق تلاش کرو (کنز العمال ج ۲ ص ۱۹۷)

عرب کے لوگ بحری بیڑے سے ناآشنا تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرت کے ساتھ پیشین گوئی فرمائی کہ میری امت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے سمندری موجوں پر اس طرح سفر کریں گے۔ جیسے تخت نشین بادشاہ (صحیح بخاری کتاب الجہاد) اور پھر مسلمانوں کی پہلی بحریہ کے بڑے فضائل بیان فرمائے، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پہلا بحری بیڑا تیار کیا، اور اس سے مسلمانوں

کی تگ و تاز قبرص، روڈس، کریٹ اور صقلیہ تک پہنچ گئی۔ یہاں تک پورا بحیرہ روم ان کے لئے مسخر ہو گیا جس کی طرف اقبالؔ مرحوم نے اِن الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ ؎

تھا یہاں ہنگامہ اُن صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۸ھ میں لخم اور جذام کے خلاف جنگ ذات السلاسل کے دوران پہلی بار بلیک آؤٹ کا طریقہ اختیار فرمایا اور اپنی فوج کو حکم دیا کہ لشکر گاہ میں تین روز تک رات کے وقت کسی طرح کی روشنی نہ کریں اور نہ آگ جلائیں جب لشکر مدینہ طیبہ پہنچا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے اس عمل کی وجہ دریافت فرمائی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا کہ "یا رسول اللہ! میرے لشکر کی تعداد دشمن کے مقابلہ میں کم تھی، اس لئے میں نے رات کو روشنی کرنے سے منع کیا کہ مبادا دشمن ان کی قلت تعداد کا اندازہ لگا کر شیر ہو جائے" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگی تدبیر کو پسند فرما کر اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا (جمع الفوائد ج ۲ ص ۲۷)

غرض یہ عہدِ رسالتؐ کی چند متفرق مثالیں تھیں جو سرسری طور سے یاد آ گئیں، مقصد یہ تھا کہ اسلام نے کسی جدید اقدام پر جدید ہونے کی حیثیت سے کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ صحیح مقاصد کے لئے صحیح حدود میں رہ کر جدت پسندی کی ہمت افزائی کی ہے۔

لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ جس طرح جدت پسندی نے انسان کو مادی ترقی کے بام عروج تک پہنچایا ہے، اسے نئی نئی ایجادات عطا کی ہیں، اور راحت و آسائش کے بہتر طریقے مہیا کئے ہیں اسی طرح اس نے انسان کو بہت سے نفسانی امراض میں بھی مبتلا کیا تھا، اور بہت سے تباہ کن نقصانات بھی پہنچائے ہیں، اسی جدت پسندی کی بدولت انسان کی تاریخ فرعونوں اور شدّادوں سے بھری ہوئی ہے جنہیں طاقت و اقتدار کی کسی حد پر قرار نصیب نہیں ہوا، بلکہ وہ اقتدار کے شوق میں حکومت اور بادشاہی سے گزر کر خدائی کے دعویدار بن بیٹھے اسی جدت پسندی نے ہٹلر اور مسولینی کو بھی جنم دیا جن کی ہوس ملک گیری ہر روز ایک نئے خطے زمین کا

اقتدار چاہتی تھی۔ اسی جدت پسندی نے آج پوری دُنیا میں عریانی و فحاشی کا طوفان مچا رکھا ہے اور باہمی رضامندی سے زنا کو سندِ جواز دے رکھی ہے بلکہ اب تو برطانیہ کے دار العوام سے تالیوں کی گونج میں ہم جنس پرستی کے جواز کا بل بھی منظور کرا لیا ہے۔ یہی جدّت پسندی ہے جس کے سائے میں مغربی عورتیں اسقاطِ حمل کے جواز کا مطالبہ کرنے کے لئے بر سرِ عام بینر اُٹھائے پھر رہی ہیں اور یہی جدّت پسندی ہے جسے بطورِ دلیل استعمال کر کے محرم عورتوں سے شادی رچانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ "جدّت پسندی" ایک دو دھاری تلوار ہے جو انسانیت کو فائدہ پہنچانے کے کام بھی آ سکتی ہے، اور اس کا کام تمام بھی کر سکتی ہے۔ لہٰذا ایک جدید چیز نہ محض نئی ہونے کی بنا پر قابلِ قبول ہے، اور نہ محض نئی ہونے کی بنا پر قابلِ تردید، یہاں تک تو بات صاف ہے لیکن آگے سب سے اہم سوال یہ ہے کہ وہ کیا معیار ہے جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ فلاں جدت مفید اور قابلِ قبول ہے اور فلاں مضر اور ناقابلِ قبول؟

اس معیار کی تعیین کے لئے ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ کام خالص عقل کے حوالے کیا جائے چنانچہ سیکولر معاشروں میں یہ فیصلہ عقل ہی کے پاس ہوتا ہے لیکن اس میں دشواری یہ ہے کہ جن جن لوگوں نے "جدّت پسندی" کے نام پر انسانیت سے اخلاق و شرافت کے سارے اوصاف لوٹ کر اُسے حیوانیت اور درندگی کے راستے پر ڈالا وہ سب عقل و دانش کے دعویدار تھے اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس نے عقلِ خالص کو اپنا رہنما نہ بنایا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ وحی الٰہی کی رہنمائی سے آزاد ہونے کے بعد "عقل" کی مثال ایک ایسے ہرجائی محبوب کی سی ہوتی ہے جسے متضاد قسم کے عناصر بیک وقت اپنا سمجھتے ہیں، اور درحقیقت وہ کسی کا نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایسی "عقل" میں ہر بُرے سے بُرے نظریے اور بُرے سے بُرے عمل کی بھی شاندار اور خوبصورت توجیہات مل جاتی ہیں۔ مثلاً ہیروشیما اور ناگاساکی کا نام سن کر انسانیت کی پیشانی آج بھی عرق عرق ہو جاتی ہے لیکن انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جیسی علمی اور عالمی کتاب میں ان تباہ کاریوں کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے جو ایٹم بم کی بدولت ہیروشیما اور ناگاساکی میں برپا ہوئی تھیں لیکن ایٹم بم کے تعارف میں یہ جملہ سب سے پہلے لکھا ہے کہ:۔

"سابق وزیرِ اعظم ونسٹن چرچل نے اندازہ لگایا ہے کہ ایٹم بم نے جنگ کو مختصر کر کے دس لاکھ امریکی سپاہیوں اور ڈھائی لاکھ برطانوی سپاہیوں کی جانیں بچا لیں۔ اندازہ لگا تھے کہ اس

قسم کی منطق کی روشنی میں کون سا ظلم وستم اور کون سی سفاکی ایسی ہے جسے عقل کے خلاف کہا جا سکا؟

(برٹانیکا ج ۲ ص ۷۰۹، ۷۱۰ مطبوعہ ۱۹۵۰ء مقالہ ایٹم بم)

اس طرح کی عقلی توجیہات کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں یہاں میں شرم وحیا سے معذرت کے ساتھ ایک مثال اور پیش کروں گا، جس کی روشنی میں عقل خالص کی صحیح پوزیشن اچھی طرح واضح ہو سکتی ہے، تاریخ اسلام میں ایک فرقہ "باطنیہ" کے نام سے گذرا ہے، اس کا ایک مشہور لیڈر عبیداللہ القیروانی اپنے ایک مکتوب میں لکھتا ہے:۔

"وما العجب من شیئ کالعجب من رجل یدعی العقل ثم یکون له اخت او بنت حسناء، ولیست له زوجة فی حسنها فیحرمها علی نفسه وینکحها من اجنبی ولو عقل الجاهل یعلم انه احق باخته وبنته من الاجنبی وما وجه ذلك الا ان صاحبهم حرم علیهم الطیبات الخ۔

(الفرق بین الفرق، لعبد القاهر البغدادی ص ۲۹۷ طبع مصر

یعنی اُس سے زیادہ تعجب کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک شخص عقل کا دعویدار ہونے کے باوجود ایسی حماقتیں کرتا ہے کہ اس کے پاس نہایت خوبصورت بہن یا بیٹی موجود ہوتی ہے اور خود اس کی بیوی اتنی حسین نہیں ہوتی مگر وہ اس خوبصورت بہن یا بیٹی کو اپنے اوپر حرام قرار دے کر اسے کسی اجنبی سے بیاہ دیتا ہے۔ حالانکہ ان جاہلوں کو اگر عقل ہوتی تو وہ یہ سمجھتے کہ ایک اجنبی شخص کے مقابلے میں اپنی بہن اور بیٹی کے وہ خود زیادہ حق دار ہیں۔ اس بے عقلی کی وجہ دراصل صرف یہ ہے کہ ان کے آقا نے ان پر عمدہ چیزوں کو حرام کر دیا ہے"۔

اس گھناؤنی عبارت کی شناعت وخباثت پر جتنی چاہے لعنت بھیجتے رہئے، لیکن دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ جو عقل وحی الٰہی کی رہنمائی سے آزاد ہو، اس کے پاس اس دلیل کا کوئی خالص عقلی جواب ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ایک آزاد اور لبرل عقل کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے، چنانچہ صدیوں کے بعد عبیداللہ قیروانی کا یہ خواب اب شرمندۂ تعبیر ہو رہا ہے، اور بعض مغربی ممالک میں بہن سے شادی کرنے کی آوازیں اٹھنے لگی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ "جدت پسندی" کی رو میں اگر اچھے بُرے کا فیصلہ خالص عقل پر چھوڑ دیا جائے تو ایک

طرف اس سے زندگی کی کوئی قدر صحیح سالم نہیں رہتی، اور دوسری طرف چونکہ ہر شخص کی عقل دوسرے سے مختلف ہے اس لئے انسان متضاد آراء اور نظریات کی ایسی بھول بھلیوں میں پھنس جاتا ہے جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو عقل وحیٔ الٰہی کی رہنمائی سے آزاد ہو، انسان اُسے آزاد عقل سمجھتا ہے لیکن درحقیقت وہ اس کی بہیمی خواہشات اور نفسانی اغراض کی غلام بن جاتی ہے جو عقل کی غلامی کی بدترین شکل ہے، اسی لئے قرآن کریم کی اصطلاح میں ایسی عقل کا نام "ھویٰ" (خواہش نفس) ہے، اور اسی کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:-

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ

اور اگر حق ان لوگوں کی خواہشات کا تابع ہوجاتے تو آسمان وزمین اور ان کی مخلوقات میں سخت بگاڑ پیدا ہوجاتے۔

فلسفۂ قانون کی بحث میں فلاسفہ کے ایک گروہ کا تذکرہ آتا ہے جن کے نظریۂ اخلاق کو NON-COGNITVIST THEORY کہا جاتا ہے، مشہور ماہر قانون ڈاکٹر فرائڈمین نے اس نظریہ کا خلاصہ اپنی کتاب "LEGAL THEORY" میں اس طرح بیان کیا ہے:-

"عقل صرف انسانی جذبات وخواہشات کی غلام ہے، اور اس کو ان ہی کا غلام ہونا بھی چاہیئے، عقل کا اس کے سوا کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ان جذبات کی بندگی اور ان کی اطاعت کرے" (ص - ۳۶)

اس نظریہ سے حاصل ہونے والا نتیجہ ڈاکٹر فرائڈمین کے الفاظ میں یہ ہے:-

"اس کے سوا ہر چیز یہاں تک کہ اچھے بُرے کے تصورات اور یہ الفاظ کہ فلاں کام ہونا چاہیئے اور "فلاں کام ہونے کے لائق ہے" کلی طور پر جذباتی باتیں ہیں اور دنیا میں علم اخلاق نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے" (ص ۳۷ - ۳۶)

یہ نظریہ فلسفۂ قانون کی بنیاد بننے کے لئے خواہ کتنا غلط اور بُرا ہو، لیکن ایک سیکولر عقلیت کی بڑی سچی اور حقیقت پسندانہ تفسیر ہے، واقعہ یہی ہے کہ سیکولر عقل کی پیروی کا لازمی نتیجہ اس کے سوا ہو ہی نہیں سکتا کہ دنیا میں اخلاق نام کی کسی چیز کا وجود باقی نہ رہے، اور انسان کے قول و

فعل پر اس کے نفسانی جذبات کے سوا کسی چیز کی حکمرانی قائم نہ ہو سیکولر عقلیت اور " اخلاق " درحقیقت جمع ہو ہی نہیں سکتے، کیوں کہ "جدت پسندی" کی رو میں ایک مرحلہ ایسا آجاتا ہے جب انسان کا ضمیر ایک عمل کو برا سمجھتا ہے، لیکن وہ اسے اختیار کرنے پر اس لئے مجبور ہوتا ہے کہ "جدت پسندی" اور سیکولر عقلیت کے پاس اُسے روکنے کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ مغرب کے اہلِ فکر آج اسی عبرتناک بے بسی سے دوچار ہیں۔ "ہم جنس پرستی" کا جو قانون چند سال پہلے برطانوی پارلیمنٹ نے منظور کیا ہے۔ برطانیہ کے مفکرین کی ایک بڑی تعداد اُسے اچھا نہیں سمجھتی تھی، لیکن اُسے تسلیم کرنے پر اس لئے مجبور تھی کہ خالص عقلی "جدت پسندی" کے مذہب میں جس جس برائی کا چلن عام ہوتا جائے اُسے قانونی جواز عطا کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ وولفینڈن کمیٹی جو اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے بیٹھی تھی اس کے یہ الفاظ کتنے عبرت خیز ہیں کہ:۔

"جب تک قانون کے زیر اثر چلنے والی سوسائٹی کی طرف سے اس بات کی سوچی سمجھی کوشش نہیں کی جاتی کہ جرم کا خوف گناہ کے برابر ہو جائے اس وقت تک پرائیویٹ اخلاق اور بداخلاق کے تصور کی حکمرانی برقرار رہے گی، جو مختصر مگر کھرے لفظوں میں قانون کے دائرہ کار سے باہر ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر "اچھے برے" کا تمام تر فیصلہ "خالص عقل" کے حوالے کیا جائے تو انسان کے پاس کوئی ایسا معیار باقی ہی نہیں رہتا جس کی بنیاد پر وہ کسی نئے رواج کو روک سکے، بلکہ ہر قیمتی سے قیمتی اخلاقی قدر بھی "جدت پسندی" کے سیلاب میں بہہ جاتی ہے۔

آج مفکرین قانون کو اس بات پر سخت تشویش ہے کہ "جدت پسندی" کی عام روش کی موجودگی میں وہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے کم از کم کچھ اعلیٰ انسانی اوصاف محفوظ اور ناقابلِ تغیر رہ سکیں۔ چنانچہ ایک امریکی جج جسٹس کارڈوزو (CARDUZO) لکھتے ہیں:۔

"آج قانون کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ایک ایسا فلسفۂ قانون مرتب کیا جائے جو ثبات اور تغیر کے متضاد اور متحارب تقاضوں کے درمیان کوئی موافقت پیدا کر سکے"۔

(THE GROWTH OF THE LAW)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کام کسی عقلی فلسفے کے بس کا نہیں ہے، یہ ساری خرابی پیدا ہی یہاں سے ہوتی ہے کہ وحی الٰہی کا کام عقل کے سر ڈال کر اس پر وہ بوجھ لاد دیا گیا ہے جس کی وہ متحمل نہیں۔

ظاہر ہے کہ کسی قانون کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ دائمی اور ناقابل تغیر ہے کسی دلیل ہی کی بنیاد پر ہو سکتا ہے، اور انسانی عقل ایسی کوئی دلیل پیش کرنے سے عاجز ہے۔ آج کچھ لوگ ایک قانون کو اپنی عقل کی بنیاد پر ناقابل تغیر قرار دیں گے۔ کل دوسرے لوگوں کو اندازہ ہوگا کہ وہ دائمی قانون بننے کے لائق نہ تھا، چنانچہ وہ پھر اس کے قابل تغیر ہونے کا اعلان کر دیں گے۔ لہٰذا اس مسئلے کا اگر کوئی حل ہے تو وہ سوائے اس کے نہیں کہ انسان اپنی عقل کو نفسانی خواہشات کا غلام بنانے کے بجائے اس ذات کا غلام بنائے جس نے اسے اور پوری کائنات کو پیدا کیا ہے۔ وہ چونکہ دنیا میں واقع ہونے والے تمام تغیرات سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس لئے یہ بات اس کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا کہ قانون کے کون سے اصول ناقابل تغیر ہیں۔ اصول قانون کے مشہور مصنف جارج پیٹن نے بالکل سچی بات لکھی ہے کہ :۔

"ایک مثالی قانونی معاشرے کو کن کن مفادات کا تحفظ کرنا چاہیئے؟ یہ ایک اقدار کا سوال ہے جس میں فلسفۂ قانون اپنا کردار ادا کرتا ہے لیکن اسی معاملے میں ہم فلسفے سے جتنی جتنی مدد مانگتے ہیں اتنا ہی اس سے اس سوال کا جواب ملنا مشکل ہے، کیونکہ اقدار کا کوئی متفقہ پیمانہ اب تک دریافت نہیں ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ صرف مذہب ایسی چیز ہے جس میں ہمیں ایک بنیاد ملتی ہے، اور مذہب کے حقائق کو بھی عقیدے کے ذریعے قبول کرنا چاہیئے نہ کہ خالص منطقی استدلال کے نتیجے کے طور پر۔"

PATON JURIS PRUDENCE . P - 121

خلاصہ یہ کہ زمانے کی جدتوں میں اچھے بُرے کا فیصلہ کرنے کے لئے سیکولر عقل قطعی ناکام ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس مسئلے کے حل کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ اور اس کے قانون سے رہنمائی حاصل کرے، انسانیت کی نجات کی اس کے سوا کوئی سبیل نہیں قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:۔

اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ کَمَنْ زُیِّنَ لَہٗ سُوْٓءُ عَمَلِہٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَھْوَآءَھُمْ

(محمد : ۱۴)

"تو جو لوگ اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر ہوں کیا وہ ان لوگوں کی طرح ہو سکتے جن کی بدعملی ان کو بھلی معلوم ہوتی ہو اور جو اپنی نفسانی خواہشات پر چلتے ہوں۔"

لہٰذا مسئلہ کا واحد حل یہی ہے کہ زمانے کے ہر نئے طور طریق اور ہر نئے رسم ورواج کو اس کی ظاہری چمک دمک کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اس بنیاد پر جانچا جائے کہ وہ "پروردگار کے ناستہ" کے مطابق ہے یا نہیں، اور اگر اس کے بارے میں اللہ اور اس کی شریعت کا کوئی حکم آجائے تو اُسے بے چوں وچرا تسلیم کیا جائے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے :۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (احزاب)

کسی مومن مرد یا عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کردے تو پھر اس معاملے میں اس کو اختیار باقی رہے۔

اور :۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

پس اے نبی! نہیں، آپ کے پروردگار کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے باہمی نزاعات میں فیصل نہ بنائیں، پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اسے پوری طرح تسلیم کرلیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو احکام اپنی کتاب یا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عطا فرمائے ہیں وہ انہی مسائل سے متعلق ہیں کہ اگر ان کو عقل خالص کے حوالے کیا جاتا تو وہ انسان کو گمراہی کی طرف لے جا سکتی تھی اور چونکہ اللہ تعالیٰ ماضی و مستقبل کے تمام حالات سے باخبر ہے اس لئے صرف اسی کے احکام ہر دور میں واجب العمل ہو سکتے ہیں،

چنانچہ ارشاد ہے :۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (نساء)

" اللہ تمہارے لئے کھول کھول کر یہ باتیں اس لئے بیان کرتا ہے کہ کہیں تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے "

یہیں سے " جدت پسندی " کے بارے میں ایک اور بات واضح ہو جاتی ہے، اور وہ یہ کہ

وحی الٰہی اور احکام شریعت کی ضرورت چونکہ اسی لئے پڑی ہے کہ نری عقل کے ذریعہ ان معاملات میں ہدایت تک پہنچنا مشکل تھا اس لئے ہدایت کے لئے احکام الٰہی کا جوں کا توں اتباع ضروری ہے اور طرز عمل درست نہیں کہ زمانے کے کسی چلن کو پہلے اپنی عقل سے صحیح اور بہتر قرار دے لیا جائے، اور اس کے بعد قرآن و سنت کو اپنے اس عقلی فیصلے پر فٹ کرنے کے لئے ان میں کھینچ تان اور دور از کار تاویلات کا طریقہ اختیار کیا جائے، کیوں کہ یہ طرزِ عمل احکام الٰہی کا اتباع نہیں کہلا سکتا، یہ اتباع کے بجائے ترمیم و تغیر ہے جس کا کسی انسان کو اختیار نہیں، کیونکہ اس سے احکام الٰہی کا مقصد نزول ہی تلپٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اتباع یہ ہے کہ انسان ہر حال میں احکام الٰہی کو کامل اور مکمل یقین کرکے کسی ترمیم کے بغیر انہیں قبول کرلے اور اگر روئے زمین کے تمام لوگ مل کر بھی چاہیں تو اسے احکام الٰہی سے اعراض پر آمادہ نہ کرسکیں۔ ارشاد ہے:۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝
وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ
وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِيْنَ ۔ (انعام: ۱۱۵ تا ۱۱۷)

"اور آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے لحاظ سے مکمل ہے، کوئی اس کے کلام کو بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ اور اگر آپ دنیا کے اکثر لوگوں کا کہا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے، وہ تو محض گمان کا اتباع کرتے ہیں، اور بالکل اٹکل پچوں باتیں کرتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے ان کو بھی جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوتے ہیں اور وہ خوب جانتا ہے ان کو بھی جو ہدایت یافتہ ہیں۔"

ارشاد ہے:۔

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (یونس: ۱۵)

جو لوگ ہم سے ملاقات (یعنی آخرت) کا یقین نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لے آؤ یا اسی کو کچھ بدل دو، آپ کہہ دیجئے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اس کو بدلوں میں تو صرف اس وحی کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔

اس قسم کے اتباع میں بعض اوقات زمانے کی مخالفت بھی مول لینی پڑتی ہے اور اس کی وجہ سے مشکلات بھی پیش آسکتی ہیں، لیکن جو لوگ ان آزمائشوں کا مقابلہ کرتے ہیں انہیں اللہ کی طرف دنیا اور آخرت دونوں میں ہدایت نصیب ہوتی ہے، ارشاد ہے:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ

(العنکبوت: ۶۹)

"اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں، ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے، اور بلاشبہ اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔"

یہ طرز عمل درست نہیں کہ اگر کسی حکم الٰہی میں کوئی ظاہری فائدہ نظر آئے تو اسے قبول کر لیا جائے، اور جہاں کچھ مشکلات اور آزمائشیں ہوں وہاں اعراض یا تاویل سازی کا طریقہ اختیار کیا جائے، اس طرز عمل میں قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق دنیا اور آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰي حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ عَلٰي وَجْهِهٖ ڗ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔ (حج: ۱۱)

"اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کی بندگی کنارے پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں، پس اگر ان کو کوئی دنیوی نفع پہنچ گیا تو اس کی وجہ سے مطمئن ہو جاتے ہیں، اور اگر کوئی آزمائش آگئی تو منہ

پھیر کر چل دیتے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا اور آخرت دونوں کا خسارہ اٹھاتے ہیں۔ یہی تو کھلا ہوا نقصان ہے"۔

غرض اسلامی نقطۂ نظر سے اچھی اور بری جدتوں کو پرکھنے کا معیار یہ ہے کہ اللہ کی شریعت نے اس کے بارے میں کیا حکم فرمایا ہے؟ اگر وہ شریعت کے احکام کے مطابق ہے تو اسے قبول کیا جائے، اور اگر شریعت کے احکام کے خلاف ہے تو شریعت میں تاویل و تحریف کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے اسے چھوڑ دیا جائے خواہ وہ زمانے کے عام چلن کے خلاف ہو اور خواہ اس طرز عمل پر دوسرے لوگ کتنی ملامت اور کتنا استہزاء کرتے ہوں ایک مسلمان کے پاس ان اوچھے اعتراضات کا جواب صرف یہ ہے کہ :-

اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝

اللہ ان کا استہزاء کرتا ہے اور انہیں ان کی سرکشی میں ڈھیل دیدیتا ہے جس میں وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔

ہاں یہ طرز عمل زندگی کے ان معاملات کے لئے ہے جنہیں قرآن و سنت نے فرض واجب مسنون، مستحب یا حرام اور مکروہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ یہ احکام ہر دور میں ناقابل تغیر ہیں، البتہ جو چیزیں مباحات کے ذیل میں آتی ہیں ان میں انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ وقت اور زمانے کی مصلحتوں کے لحاظ سے انہیں اختیار یا ترک کرنے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ اور دیکھا جائے تو زندگی کے ایسے مسائل تعداد میں بہت کم ہیں جن کے بارے میں نصوص شریعت نے فرض، واجب، مسنون و مستحب یا حرام و مکروہ ہونے کی صراحت کی ہے اور جو ناقابل تغیر ہیں اس کے برعکس زندگی کی بیشتر چیزیں "مباحات" میں داخل ہیں، اور ان کے ترک و اختیار کے فیصلے ہر وقت بدلے جا سکتے ہیں۔

لہٰذا اسلام نے "جدت پسندی" کو جو میدان عطا کیا ہے وہ ایک وسیع میدان ہے جس میں وہ اپنی پوری جولانیاں دکھا سکتی ہے اور اس میں انسان اپنی عقل سے کام لے کر علم و انکشاف اور سائنس و ٹیکنالوجی کے بام عروج تک بھی پہنچ سکتا ہے اور ان معلومات کو انسانیت کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بھی بنا سکتا ہے۔

لہٰذا اس وقت عالمِ اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ "جدت پسندی" کی ان حدود کو پہچانے اور اسلام نے "جدت پسندی کا جو وسیع دائرہ انسان کو دیا ہے، اسے چھوڑ کر اُس مختصر دائرے میں دخل اندازی نہ کرے جس کے احکام شریعت نے خود مقرر کر دیئے ہیں، اور جو ناقابلِ تغیر ہیں اس کے برعکس عالمِ اسلام کا موجودہ طرزِ عمل یہ ہے کہ جس دائرے میں اسے جدید طرزِ فکر اختیار کرنا تھا، وہاں تو اس کی تگ و تاز انتہائی سست اور محدود ہے، اس کے برعکس جو احکامِ الٰہی ناقابلِ تغیر تھے، مسلمانوں نے اپنی جدّت پسندی کا رُخ ان کی طرف کر رکھا ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ عصرِ حاضر نے جو اچھائیاں انسانیّت کو دی ہیں ان سے تو ہم محروم ہیں، اور جو برائیاں اس نے پیدا کی ہیں وہ سب تیز رفتاری سے ہمارے معاشرے میں سرایت کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم عصرِ حاضر میں اپنی ذمّہ داریوں سے ٹھیک کے ساتھ عہدہ برآ ہو سکیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝